وقت کی آواز

تفہیم وترجمہ فضیلۃ الشیخ محمد ادریس سلفی حفظہ اللہ تعالیٰ

الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل امام

عرب کہتے ہیں "لکل مقال مقام ولکل مقام مقال"

ہر گفتگو کا ایک مکان ومقام ہوتا ہے اور ہر جگہ کیلئے ایک کلام اور گفتگو ہوتی ہے۔

احوال ومقامات کا لحاظ رکھتے ہوئے شرع کی روشنی میں رہنمائی کرنا یقیناً قربت الٰہی کے بڑے بڑے اسباب سے ہے۔ مقاصد وفوائد جس قدر بلند ہوں گے عنداللہ تعالیٰ اجر وثواب بھی اسی قدر بڑھ جائیگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اور یہ ذمہ داری جس قدر اہل علم پر ہے کسی اور پر نہیں ہے ان کو ہی غیر یقینی حاضر کو سنہرے ماضی سے ملا کر بہتر مستقبل کی منصوبہ بندی کرنا ہے۔ وہی امت کی امید بھی ہیں اور بااثر بھی۔ جبکہ ان میں کمی امت کیلئے نیک شگون نہیں ہے۔

زمانہ حال میں ہم اطراف وجوانب سے اشکالات وتذبذب کا شکار ہیں سیاستدان' ادباء' خطباء' طلباء بھی عوام کے ساتھ ساتھ عجیب کیفیت میں مبتلا ہیں۔ کہیں روشن خیالی' کہیں تکفیر ہے' کوئی خود کش حملوں کے جواز کا فتویٰ جاری کر رہا ہے اور جا بجا بڑی مملکتوں کے مفادات کے رکھوالے سیاستدان اور کہیں قرضے ہضم کرتے اور ملکی ثروت سے غیر ملکی بینک بیلنس بڑھاتے حکمران' لوٹ کھسوٹ میں مبتلا عوام اور وہیں ائمہ امت اور سلف صالحین سے بے نیاز واعظان ومفتیان کرام اور جا بجا امت کے دفاع کیلئے کندھے پر ہتھیار سجائے ہتھیلی پر جان رکھے۔ نحن الذین بایعوا محمداً علی الجهاد ما بقینا ابدا

کے بے وقت نعرے لگاتے نوجوان......

ان حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ کس کا ساتھ دینا بہتری ہے؟ کس کو رہنما بنالیں؟ کس کی دعوت کو آگے بڑھائیں؟ کون سا موقف اختیار کریں...... علمی بحثوں میں پڑے رہیں' لغت کے قارون بننے پر راضی رہیں۔ امت اسلامیہ کیلئے کمر بستہ ہو جائیں اور لوگوں کے جذبات ابھاریں' تن من دھن

قربان کرنے کا عزم کریں کرائیں۔ جذباتی نوجوانوں سے الگ تھلگ ہو کر رہبانیت اختیار کرلیں۔ آخر کیا ہونا چاہئے؟ ایسے حالات میں ہمیں مسلم ماضی کیا درس دیتا ہے۔اسے کیسے دہرائیں؟ یہی کچھ مدعا ہے یہی آرزو۔

سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا ہے کہ امن اور فتنوں میں احوال کے تقاضا کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فتاوی مختلف ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

سلف صالحین کا منہج اس کی اجازت دیتا ہے امام ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ینبغی للمفتی ان ینظر فی حال الناس یحسب الزمان فاما ان یشدد علیھم واما ان ییسر علیھم الملام الموقعین3/308

مفتی کو چاہئے کہ زمانہ کے لحاظ سے لوگوں کے احوال پر نگاہ رکھے کبھی فتوی میں سختی اور کبھی نرمی کا پاس رکھے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار منکر واجب قرار دیا ہے تا کہ اس طرح وہ معروف حاصل ہوسکے۔ جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے ہیں لیکن کسی وقت منکر کا انکار اگر اس منکر سے بڑے منکر کا سبب بن جائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ انتہائی ناراضگی کا سبب ہو تو ایسی صورت میں منکر کا انکار خواہ ناراضگی کا باعث ہو نہیں کرنا چاہئے۔(338/4)

مثلاً سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں عوام کے ساتھ ان کا رویہ وہ نہ رہا جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تھا کیونکہ احوال مختلف ہو چکے تھے۔معترض نے ان سے سوال کیا آپ کے دور میں جو احوال ہیں سابقہ دور سے مختلف ہیں تو کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ خلفاء سابقہ کے عوام مجھ جیسے مگر میری عوام تم جیسے ہیں۔

کس کی طرف رجوع ہو کٹھن احوال میں من پسند رائے اختیار کرنے کے بجائے کسی جانب رجوع کرنا چاہیے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واذا جاء ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولوردوالی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم......ن/83

اور جب ان کے پاس امن یا ڈر کی کوئی خبر پہنچتی ہے اسے مشہور کرتے ہیں اور اگر اسے

پہنچاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور اپنے اختیار والوں تک' تو تحقیق کرنے والے ان میں سے اس کی تحقیق کرتے......

گویا پرفتن ایام میں نہ ہر بات پھیلانے کی اور نہ کان دھرنے کی ہوتی ہے۔رہی بات یہ کہ ایسے احوال میں کس کی طرف رجوع کریں تو اس کا جواب خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا ہے کہ "**ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم**"

یہاں آپ کا ذکر مبارک بطور منصوب امامت و رہنما و مقتدا ہے نہ کہ صرف اس طور پر کہ آپؐ رسول ہیں۔صحابہ کرامؓ فہم نص کیلیے کبھی آپؐ کی طرف رجوع کرتے کہ آپؐ منصب نبوت پر فائز ہیں اور وحی نازل ہو رہی ہے'کبھی اسی طور پر کہ آپؐ اہل اسلام کے امام اعظم ہیں۔کبھی اس طور پر کہ آپؐ ایک قاضی و جج ہیں۔

کبھی بایں طور کہ آپؐ مفتی ہیں اور کبھی اس بنا پر بھی کہ آپؐ ناصح خیر خواہ اور مرشد ہیں کبھی اس لیے بھی کہ آپؐ مسجد کے امام ہیں۔آپؐ کے کئی مراتب و لحاظ آپؐ کے سیرت نگاروں نے نوٹ کیے ہیں مقصد صرف اتنا ہے کہ آپؐ کے افعال و احکام مختلف حیثیت سے مختلف ہوتے ہیں گذشتہ آیت مبارکہ میں آپ کی طرف رجوع سے آپ کی حیثیت سربراہ مملکت کی واضح ہوتی ہے اس کے بعد آیت مبارکہ میں اولی الامر سے مراد بعض مفسرین کے بقول اہل علم ہیں۔

گویا فتنوں میں معاملات سدھارنے' رہنمائی کرنے کا حق اہل علم اور سربراہ کو ہے اس اصول کے بجائے اگر کسی تیسرے فریق کو حل کیلئے اختیار کیا گیا تو اس کے نتائج کیا ہوں گے ارشاد ہے.
ولولا فضل اللہ علیکم ورحمته لا تبعتم الشیطن الاقلیلا ۔اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت تو تم شیطان کے پیچھے جاتے مگر تھوڑے۔

اسے اتباع شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اتفاق واتحاد

اہل کلمۃ کی بات اور فیصلہ کا ایک ہونا مقاصد شرع میں سے ہے اور شرع کا مقصود اہل اسلام کی قوت کا متحد رکھنا سب کا بات پر متفق ہونا اور یک رخی اختیار کرنا ہے۔

قرآن حکیم کی متعدد آیات اور احادیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے جس میں نہ کوئی اخفاء ہے نہ دوسری رائے۔

آپ ؐ نے جن امور جاہلیت کی اصلاح فرمائی ان میں سے ایک اہم خرابی یہ تھی کہ وہ لوگ من مرضی اختیار کرنے والے۔قوت بازو کو حق کی علامت جانتے۔عصبیت اور اپنے اپنے قبیلہ کی طرفداری کے متوالے تھے۔ اسلام نے اس خطاء کو ان الفاظ میں ختم کرنے کی تاکید فرمائی۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ تعالیٰ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو (ال عمران 103)

اب افتراق و انتشار کی صورت میں اتفاق کلمہ کیلئے کیا رخ اختیار کریں۔ہاں یقینی بات کو اختیار اور مشکوک کو ترک کریں گے اور جس میں مصلحت کا تقاضا ملحوظ نہ ہو۔خرابی دور کرنے کی سوچ نہ ہو تو اس سے فتنے نہیں فتنے جنم لیں گے تاریخ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ جب بھی ماضی میں اختلاف ہوا اور پھر حل کیلئے شرعی حل کے بجائے اپنی اپنی رائے کو اختیار کیا گیا تو کئی فرقوں نے جنم لیا اور ایسی صورت میں جو لوگ الگ الگ ٹولیوں میں بٹ جاتے ہیں ان سے متعلق قرآن حکیم کا بیان ہے کہ

ولا یزالون مختلفین الامن رحم ربک

ترجمہ؛ اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے۔

گویا رحمت کے حقدار وہ ہوتے ہیں جو ایسے احوال میں مزید انتشار کے بجائے اتفاق و اتحاد کو ترجیح دیتے ہیں۔

خوارج، مرجہ، سبیہ، معتزلہ وغیرہ کی ابتدا امت کے افتراق کے وقت عدم رجوع الی الکتاب والسنہ اور جماعت سے علیحدگی کی بنا پر ہوئی۔

اہم فالاہم حالات کی سنگینی کے پیش نظر اگر کوئی سربراہ، فقیہ اور مفتی اولی و اہم اور ارجح کا خیال نہیں کرتا اور اسے یہ خیال ہی نہیں کہ کسے مقدم کسے مؤخر کروں کسے ترجیح کسے پیچھے رکھوں کس سے انتشار بڑھے گا کس سے افتراق کا اندیشہ کم ہے۔تو وہاں مشکل حالات میں مشاکل کئی گنا بڑھ جائیں گی اور بالاخر بند گلی میں داخل ہونا ہوگا۔

احوال و امکنہ کے اعتبار سے اہم غیر اہم، اولی غیر اولیٰ (راجح مرجوح قرار دے کر مقدم و موخر کرنا نصوص میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

ارشاد ہے۔ **ان تبدوا الصدقت فنعما ھی وان تخفوھا و تؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم**

ترجمہ؛۔ اگر خیرات کھلی دو تو کیا اچھی بات اور اگر چھپا اور فقیروں کو پہنچا دو تو تم کو بہتر ہے۔(بقرہ 271)

ارشاد ہے۔وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة وان تصدقو خیرلکم
ترجمہ؛ اور اگر ایک شخص تنگی والا ہے تو کشائش تک فرصت دینی چاہیے اور اگر خیرات کردو تو تمہار بھلا ہے۔

آپؐ نے معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت فرمایا''اول مـــــا تدعوهم الی ان یوحدوا الله.....(بخاری)

سب سے پہلے توحید کو تسلیم کریں تو پھر نماز اور بعدازاں زکوۃ۔.....

آپؐ نے اھم فالا ھم کے اصول کی تبلیغ بطور نصیحت اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا۔ایسے ہی آپؐ کے پاس ایک آدمی آیا جہاد کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے دریافت فرمایا۔احیی والدراک ۔اس نے کہا زندہ ہیں تو فرمایا۔

ففیهما فجاهد۔(خ)

گویا امیر وقت' امیر المجاہدین ہونے کے طور پر آپؐ نے اس وقت کفار سے جہاد کی نسبت اس کا خدمت والدین زیادہ اچھا قرار دیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ حق کا اظہار زمانہ وجگہ اور بہار وخزاں کی قید سے بالا ہے اور وقت کا تقاضا' مقام کا خیال اولی وارجح تقدیم تاخیر سب بہانے اور مداہنت کی صورتیں ہیں۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ احکام شرع کا نزول و تنفید خود اھم فالاھم کی حکمت سے مزین ومرصع نظر آتا ہے۔

ابتدائی طور پر رکعات نماز کچھ کم تھیں پھر کچھ مزید ہوگئیں۔ابتداء صدقہ کی ترغیب ہی تھی پھر بطور رکن اسلام زکوۃ فرض قرار پائی۔مسلمان کمزور تھے احوال متقاضی بھی نہ تھے۔جہاد سے حکماً منع رکھا گیا پھر تقاضا وقت پر اجازت ملی۔

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم القدیر (حج 39)

پھر ایک وقت ایسا آ گیا کہ کفار ومنافقین سے نپٹنے کا آرڈر نازل ہوا۔یا یها النبی جاهد الکفار و المنافقین واغلظ علیهم (توبہ 77)

ہاں مقام ومکان کی رعایت میں بھی حق سے انحراف ہرگز ہرگز نہ ہوگا اور ایسے مصلحت واولویت کا دارومدار بھی اہل علم وفضل کے بیان اور اہل فتوی کے فتوی پر ہوگا نہ کہ ہر کوئی مرکزیت کا مدعی ہو کر ارج

داولی کی تعیین کا رٹا لگانے لگے۔

اتحاد گفتگو کا مرکز شرع ہے

بعض لوگ خصوصاً نوجوان اپنی انفرادی سوچ سے معاملات کو دیکھتے ہیں یہ سوچ مخصوص حالات میں تو کیا عام حالات میں بھی درست نہیں ہے مثلاً کچھ دوست جہاد کی دعوت دیتے ہیں اور بلا شبہ جہاد فی سبیل اللہ کی ضرورت واہمیت کسی وقت بھی ختم نہیں ہوسکتی بلکہ اس وقت کئی ایک ممالک میں مظلوم ومقہور اہل اسلام موجود ہیں جو جہاد کی ضرورت بلکہ وجوب کا تقاضا ہے جس کا انکار شرع کا انکار ہے لیکن کیا ہر اسلامی ملک میں اس کی بنا پر علم جہاد بلند کر دیا جائے جبکہ وہاں خود کچھ اہم غیر اہم۔اولی غیر اولی مسائل حل طلب ہیں۔جبکہ ہر جگہ ایک ہی حکم ایک ہی منہج کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کچھ لوگ ہر جگہ جہاد سے دیگر امور کو اہم گردانتے ہوئے اسے وہاں حال میں واجب شرعی نہیں سمجھتے تو نتیجۃً تکفیر کا مسئلہ شروع ہوگیا پھر خود کش حملوں کا سلسلہ چل نکلا اور بالآخر خوارج کی طرح۔جو سیدنا علیؓ کی فوج سے برآمد ہوئے اورانہی کے خلاف صف آراء ہوگئے۔اپنوں کے خلاف فتوی بازی اور قتال کی راہ ہموار کرلی۔

اجتماعیت واتحاد

پرفتن دور میں اتفاق واتحاد کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے اسلام کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں اتفاق واتحاد کیلئے شروط' گواہ' کتابت کا حکم صادر فرمایا ہے اور یہاں تو پوری امت افتراق کا شکار ہورہی ہے اسلام کے بنیادی اصولوں میں اجتماعیت اور جاہلیت کے اوصاف میں فرق نمایاں کر دیا گیا ہے۔ارشاد ہے

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا ۔اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اب اس کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے۔(آل عمران 103)

چنانچہ افتراق کی تعبیر قرآن پاک نے ''**وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا**۔ سے کی ہے اس گڑھے کے کنارہ سے مراد (واللہ اعلم) بظاہر دو چیزیں ہیں

1) لوگ شرک پر تھے اللہ تعالیٰ نے توحید کے ذریعہ بچا لیا۔

2) باہم جدا جدا اور قتل و غارت میں پڑے تھے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کرلیا۔ پھران کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شرع کا پابند ہو جانے پر اور ارشاد ہوا۔ واطیعو اللہ ورسولہ. ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم واصبروا (انفال 44)

اور حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آپس میں نہ جھگڑو پھر نامراد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو (ٹھہرے رہو)

حق پر ہوتے ہوئے بھی نزاع سے اجتناب کرنے کی رہنمائی ہوئی ہے وگرنہ فتفشلوا نتیجہ برآمد ہوگا پھر آیت مبارکہ میں ایسے وقت پر انتہائی صبر قولاً وعملاً سے جھگڑا ختم کرنے کی تلقین موجود ہے خاص طور پر اگر فتنے برپا ہو چکے ہوں انتشار کا دور دورہ ہو تو صبر کی ضرورت کی گنا بڑھ جاتی ہے۔

قوت و ضعف کیسے؟

ابتداء میں امت اسلامیہ کو اگرچہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور احکام شرع سے نصرت میسر تھی بہر حال مسلمانوں کو غلبہ یا حکومت کے اعتبار سے کمزوری کی بنا پر انہیں مرضی کے مطابق مقاصد کے حصول میں مکمل اختیار میسر و ممکن نہ تھے اس بنا پر اب احکام شرع کی صورت اس حالت سے یکسر مختلف تھی کہ جب مدینہ منورہ میں حکومت اسلامیہ کا ابتدائی عہد تھا اور پھر فتح خیبر ہوا مکہ مکرمہ پر کنٹرول حاصل ہوا اور پھر وفود کی آمد عام ہوگئی۔

چنانچہ سورۃ براءۃ اور سورۃ مائدۃ کا نزول قوت کی حالت کی خبر دیتا ہے۔ اور قرآن کے احکام سورۃ براءۃ سے پہلے اپنی جگہ دلیل ہیں اور بعد نزول اپنی جگہ حجت ہیں گویا احکام فقہیہ احوال کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں۔

حالت ضعف حالت قوت اور درمیانی حالت میں احکام جدا جدا ہوتے ہیں کچھ اہل علم کے نزدیک سابقہ احکام متاخر سے منسوخ ہوگئے مثلاً آیۃ السیف نے جہاد سے متعلق پہلے احکام منسوخ کر دیئے۔ امام ابن تیمیہ اور ان کے ساتھ دیگر اہل تحقیق کا خیال ہے کہ اسے منسوخ نہیں بلکہ اختلاف احوال سے اختلاف احکام کا نام دیں گے۔

اسلام جب غربت کی حالت میں تھا احکام بعد والے ادوار سے مختلف تھے اور پھر جب وہ حالات آجائیں تو احکام وہی ٹھہریں گے جس کی طرف اشارہ ہے۔

"بدء الاسلام غریبا وسیعو دغریبا فطوبی للغرباء (صحیح مسلم)
آج اہل اسلام جب مختلف پہلوؤں میں کمزوری کا شکار ہیں تو اگر حالت ضعف کے بجائے حالت قوت والے احکام کی تطبیق کا تقاضا کریں تو یہ سمجھداری نہ ہوگی۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں۔فتوی احوال' نتائج' مقام اور زمان کے اعتبار سے بدل جاتا ہے۔(اعلام الموقعین 337/4)

ضرورت کا تقاضا

ضرورت مختلف ہوتی ہے کبھی اشخاص کی کبھی معاشرہ کی کبھی حکومت کی کبھی امت کی۔لہٰذا ان سب کو الگ الگ دیکھنا ہوگا۔ہاں اس ضرورت و مجبوری کا تعین اہل حل وعقد اور صاحب مشورہ کریں گے۔کبھی ایک فرد کو ایک کام سے روکا جاتا ہے دوسرے کو اجازت ہوتی ہے ایک معاشرہ کو کسی مجبوری کی بنا پر کسی کام کی ممانعت ہوتی ہے دوسرے کو نہیں ایسے ہی حکومت بھی......

جبکہ دوسرے معاشرہ اور حکومت کے اعتبار سے وہ مجبوری نہیں ہوتی مثلاً امریکہ میں مسلمان اس طرح احکام شرع کی تطبیق نہیں کر سکتے جس طرح ایک مسلمان ملک میں امکان ہوتا ہے دونوں کے متعلق کئی احکام میں فرق ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ایسے مختلف احکام مختلف احوال میں الگ الگ ہونے کا تقاضا کرتے ہیں۔

جہاد

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امت پر جہاد واجب ہے مسلم حکومتوں کو آج جہاد کا اعلان کرنا چاہیے۔کیا یہ صحیح ہے؟

قتال کا مقصد (1) اعلاء کلمۃ اللہ سے (2) حقوق کا دفاع سے (3) فتح کا ظن غالب ہے' لیکن اگر ظن غالب ایسا نہ ہو بلکہ نقصان کا اندیشہ اس سے بھی بڑھ کر ہو تو اب فتوی بدل جائے گا۔

صلح حدیبیہ پر اہل مکہ کی کچھ شرطوں پر چند صحابہ کرام نالاں تھے۔چنانچہ حضرت عمرؓ عرض کرتے ہیں۔یا رسول اللہ السنا علی الحق و عدو نا علی الباطل قال بلیٰ قال فلم نعطی الدنیة فی دیننا (بخاری' مسلم)

آج بالغ نظری سے احوال دیکھنے کے بجائے نظریں چرا لینا اور اختلاف رائے پر فتاویٰ

چسپاں کرنا کہاں کی دانش مندی اور تفقہ فی الدین سے یہ ثانوی چیز نہیں بلکہ اصولوں میں سے ہے۔اس پر رب العالمین نے کئی احکام معلق فرمائے ہیں۔ ارشاد ہے۔وعدا للہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنکم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون (نور55)

وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے جولوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں نیک کام البتہ خلیفہ کرے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے پہلوں کو' اور جس دین کو اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے اسے ان کیلئے پائیدار کردیگا اور خوف وہراس کے بعد ان کو امن وراحت سے تبدیل کردے گا۔وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد کفر اختیار کرے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔

یہ تمام یعنی وعدہ تمکین وخلافت امن سے ہی متعلق ہیں یہاں توحید اور احکام شرع کے محقق ہونے کا وعدہ ذکر نہیں بلکہ استخلاف، تمکین اور امن ہی یہاں اصل ہیں۔پھر ارشاد فرمایا۔یعبدوننی لا یشرکون بی شیاء (نور 55)

وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں گے۔

بعثت رسول علیہم التحیہ والسلام کا اصل اور بنیادی مقصد توحید' عبادت بمع اطاعت رسلؑ ہی ہے مگر ان کا امکان صرف حکومت کے زیر سایہ ممکن ہے حکمران اگر حکومت قائم نہ کر پائیں اجتماعیت کا فقدان رہے امن وسکون ناپید ہو بلکہ مخدوش ہو تو تمام احکام شرع معطل ہو جائیں گے۔جب غیر اللہ کی بندگی ہوگی' اضطراب بپا ہوگا تو ہر انسان اپنی مرضی اختیار کرے گا۔اور خلفشاری انتہائی خطرناک صورت اختیار کر جائے گی۔

اور یہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں کئی ایک ممالک اور علاقے نقشہ عالم پر اس کی جیتی جاگتی تصویر پیش کر رہے ہیں معاملات پر کنٹرول ڈھیلا ہوا ادھر طرح طرح کی بولیاں بولی جانے لگیں حق سچ عدل انصاف توحید سنت ایسے قیمتی سرمائے ہیں طاقت کے ساتھ امن ہی ان کے احیاء اور دوام کا ضامن بن سکتا ہے انتشار ہمیشہ باطل ہوئے نفس اور گمراہی وضلالت کا متولی بنتا ہے۔مقاصد نتائج پر نگاہ شرح امتیاز سے وگرنہ خیر وشر سے عموماً لوگ واقف ہوتے ہیں۔

ارشاد ہے وحدیتہ النجدین

ارشاد ہے۔قد افلح بن زکھا وقد خاب من دسھا

یہ سچ ہے یہ جھوٹ یہ باطل ہے یہ درست یہ غلط ہے یہ صحیح یہ معرفت اکثریت کو ہوتی ہے مگر علماء وطلباء زیادہ خیر اور زیادہ شر والے امور سے واقف ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔لیا العاقل الذی یعلم الخیر من الشر وانما العاقل الذی یعلم خیرا لخیر ین و شر الشرین

عقل مند وہ نہیں جو خیر وشر کو جانتا ہو بلکہ دانشور وہ انسان ہے جو دو خیروں میں سے زیادہ خیر اور دو شر والے امور میں سے زیادہ شر والے معاملہ کو جانتا ہو۔اس کے بعد امام صاحب یہ شعر پڑھتے۔

ان اللبیب اذ ابد امن جسمه مرضان مختلفان داوی الاخطر

عقلمند انسان کے بدن کو اگر دو مختلف امراض لاحق ہو جائیں تو وہ زیادہ خطرناک کا علاج پہلے کرتا ہے۔(مجموع الفتاوی 54/20)

یہی درست رائے ہے۔ایک عقلمند فقیہ وہی ہے جو بہتر جاننے کی کوشش کرتا ہے۔تا کہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو اس کی دعوت دے اور زیادہ شر کو جانے تا کہ لوگوں کو اس سے باز رکھ سکے۔ایسے علم اور فہم کی آج انتہائی ضرورت ہے اسے ہمیں پڑھنے سمجھنے کی ضرورت ہے۔بصورت دیگر لوگ اور مسلمان غیر درست افکار سنیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ جس چیز میں بھی مصلحت موجود ہے یا اس میں مصلحت کی امید ہے شرع کے مقاصد سے ہے اور جس مقام پر شر ہے یا اس جگہ شر کے بڑھنے کا خدشہ ہے۔ہمیں اعتماد ویقین ہے کہ وہ چیز شرع کے مقاصد سے نہیں ہے۔

اب جب ہم تمام مصالح کو حاصل کرنے اور نہ تمام مقاصد کو دور کرنے پر قدرت رکھتے ہیں تو حتی الوسع مصلحتوں کے حصول اور حتی المقدور خرابیوں کے دور کرنے کی کوشش کے پابند ضرور ہیں۔

یہی صورت حال اصول شرع کے موافق ہے اور یہی متفق علیہ قواعد ہیں اور اس کی تنفیذ کی آج اشد ضرورت ہے اور ان کا وجود صرف کتابوں کی حد تک ناکافی ہے۔ہمیں آج اپنے سنہری اصول و ضوابط کے احیاء اور تنفیذ کی ضرورت سے اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ سلف صالح کے منہج کی اتباع کی توفیق سے نوازے۔جو بات دلیل سے لیتے اور عقل سے نافذ کرتے تھے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ و صحبہ ومن تبعهم الی یوم الدین